30

وسواس الخنّاس سے بچنے کے طریق

(فرمودہ ۲۲؍ستمبر ۱۹۱۶ء)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد مندرجہ ذیل سورۃ پڑھ کر فرمایا:-

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ ○ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○

(النّاس)

انسان کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے ایسی طرح کی ہے کہ یہ بڑی سے بڑی ترقیات بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اور چونکہ ترقیات کے لئے مشکلات کا سامنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے یہ نیچے سے نیچے بھی گر سکتا ہے۔ اس کے اردگرد ہر وقت ایسے سامان موجود رہتے ہیں کہ جن میں سے بعض تو اس کو اوپر کی طرف کھینچتے ہیں اور بعض نیچے کی طرف۔ پھر خدا تعالیٰ نے اس کے اپنے اندر ایسی طاقت رکھی ہے کہ یہ ان دونوں قسم کے سامانوں میں سے جن سے متأثر ہونا چاہے ہو سکتا ہے۔ گویا اس کی مثال اس انجن کی ہے جس میں سٹیم بھرا ہؤا ہو۔ اور وہ ایک ڈھلوان سڑک پر کھڑا ہو۔ اس وقت وہ دونوں طرف جا سکتا ہے۔ اوپر کی طرف بھی اور نیچے کی طرف بھی۔ اگر وہ سٹیم سے کام لے گا تو اوپر کی طرف جا سکے گا اور اگر اس طاقت سے جو اس کے اندر رکھی گئی ہے کام نہ لے گا تو نیچے سے نیچے چلا جائے گا۔ پھر جس طرح انجن کو ایک ایسی جگہ کھڑا کر دیا جائے جو ڈھلوان ہو۔ اور اس میں سے طاقت نکال دی جائے تو نیچے ہی کی طرف آئے گا۔ اسی طرح ایک انسان کو جس کے اندر طاقتیں رکھی گئی ہیں۔ جب وہ ان طاقتوں کو چھوڑ دیتا اور ان سے کام نہیں لیتا تو نیچے ہی گرتا چلا جاتا ہے۔ اور اتنا نیچے گر جاتا ہے کہ اس کے دوسرے ساتھی حیران ہو جاتے ہیں کہ کیا اتنا نیچے گر گیا۔ لیکن جب

انسان طاقتوں سے کام لیتا ہے تو اوپر بھی اتنا چڑھتا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ جس طرح دور سے ستارے بہت چھوٹے اور چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ان پر غور کرنے والا حیران ہو جاتا ہے کہ کتنی بڑی فضا ہے اور اس میں کس قدر ستارے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی کیسی کیسی عجیب مخلوق ہے۔ اسی طرح انسان کی ترقی اور تنزّل کا حال ہے۔ جس طرح اس فضا کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ چار یا دس یا سَو یا ہزار ارب میل پر یہ ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں مقام پر جا کر انسان کی ترقی بند ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ زمین کے نیچے فلاں حد سے آگے کوئی مخلوق نہیں اسی طرح انسان کے گرنے کے متعلق بھی کوئی حد بندی نہیں کر سکتا۔ انسان ترقی کرتے کرتے ایسا ایمان حاصل کر سکتا ہے اور اس میں اتنی خوبیاں جمع ہو سکتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس طرح اپنے اندر لے لیتا ہے کہ دیکھنے والے کو یہ دھوکہ لگ جاتا ہے کہ یہی خدا ہے۔ چنانچہ جن برگزیدہ انسانوں نے اپنے قلوب کو بہت ہی صاف کر لیا۔ اور ایمان کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ گئے ان کی نسبت لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہی خدا ہیں یا ان میں خدا ہے۔ حضرت کرشنؑ حضرت رامچندر۔ حضرت مسیح۔ حضرت عزیر کو لوگوں نے خدا بنا لیا۔ اور سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے تھے کہ آپ کو لوگ خدا سمجھتے۔ مگر آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کی توحید کا ایسا جوش تھا اور شرک کے نام تک سے ایسی نفرت تھی کہ آپ نے اس کے مٹانے کے لئے ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ لگا دیا۔ نادان اور ناسمجھ انسان اعتراض کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خدا کے ساتھ اپنے نام کو لگا کر اپنے آپ کو خدا کا شریک قرار دے لیا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ آپ نے اپنے تئیں خدا تعالیٰ سے علیحدہ کرنے کے لئے کیا ہے نہ کہ خدا تعالیٰ سے ملانے کے لئے۔ پورا حکم تو یہی ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ کہ جس طرح ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اسی طرح ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس قدر کمالات رکھنے کے اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہی تھے۔ کیا یہ شرک ہے۔ نہیں۔ بلکہ یہ تو شرک کے مٹانے کا ذریعہ ہے۔

یہی وہ حکم ہے جس نے لوگوں کو آپ کے خدا بنانے سے روکا۔ ورنہ آپ حضرت کرشن حضرت مسیح وغیرہ سے زیادہ اس بات کے حقدار تھے کہ آپ کو خدا سمجھا جاتا۔ بائیبل کی پیشگوئیوں میں بھی آپ کی شان اور مرتبہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے آپ کو خدا ہی کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور حضرت مسیح کو بیٹے کی حیثیت سے۔ چنانچہ بائیبل میں ایک تمثیل کے طور پر حضرت مسیح اپنے آپ کو بیٹے کی نسبت دیتے ہیں اور رسول کریمؐ کے آنے کو خود خدا تعالیٰ کا آنا کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح کہتے ہیں۔ ''ایک اور تمثیل سُنو۔ ایک گھر کا مالک تھا۔ جس نے انگوری باغ لگایا اور اس کے چاروں طرف احاطہ گھیرا۔ اور اس میں حوض کھودا۔ اور بُرج بنایا۔ اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا۔ اور کسی کو سنگسار کیا پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا۔ جو پہلوں سے زیادہ تھے۔ اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہی وارث ہے آؤ اسے قتل کر کے اسکی میراث پر قبضہ کرلیں۔ اور اسے پکڑ کر باغ سے باہر نکالا۔ اور قتل کر دیا۔ پس جب اس باغ کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا۔ انہوں نے اس سے کہا۔ ان برے آدمیوں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ اَور باغبانوں کو دے گا۔ جو موسم پر اس کو پھل دیں۔''[1]

اس عبارت میں حضرت مسیح نے اپنے آنے کو بیٹے کا آنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کو خود مالک باغ کا آنا قرار دیا ہے۔ واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ایسی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ دنیا میں انسان کے بھیس میں آتا۔ تو آپ ہی کے وجود میں آتا۔ اور آپ ہی کی شان کو دیکھ کر لوگوں کو اس بات کا دھوکہ لگ جاتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو بچانے کے لئے اور اس خرابی کو دور کرنے کے لئے اپنی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت بھی لگا دی۔

---

[1] متی باب ۲۱۔

غرض انسانوں میں سے ایسے انسان ہوئے ہیں کہ جن کو اتنے بڑے درجے حاصل ہُوئے اور جن کے قلب میں اتنی صفائی ہوگئی تھی کہ ان کو لوگوں نے غلطی سے خدا یا خدا کے بیٹے یا خدا کے شریک سمجھ لیا۔ گویا انسانوں نے اپنے میں اور ان برگزیدہ انسانوں میں اتنا فرق سمجھ لیا کہ گویا ہم عابد ہیں اور وہ معبود۔ حالانکہ وہ ان جیسے ہی ہوتے تھے۔ ایسی ہی ان کی طاقتیں بھی ہوتی تھیں جیسی کہ ان کو معبود ماننے والوں میں ہوتی تھیں۔ مگر جب انھوں نے اپنی طاقتوں سے عمدگی کے ساتھ کام لیا تو دوسرے جنھوں نے ان طاقتوں کو بیکار چھوڑے رکھا ان کو خدا یا خدا کے اوتار۔ اور خدا کے بیٹے سمجھنے لگ گئے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسری مخلوق بھی ہے۔ وہ اپنے مقام سے اتنی گری اتنی گری کہ اس کو انسان کہنا۔ اس کی طرف منسوب ہونا۔ اس سے دوستی رکھنا۔ اس کے نام رکھنا بھی کوئی پسند نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اتنی نیچے گری کہ جس طرح دور کی چیز بہت چھوٹی اور حقیر معلوم ہوتی ہے اسی طرح وہ چونکہ انسانیت سے گر کر بہت نیچے اور دُور ہو گئے۔ اس لئے انسانوں کی نظروں میں حقیر دکھائی دینے لگے۔ جو اوپر چڑھے وہ تو ان سے بلند ہوئے کہ ان کو انہوں نے اپنے میں سے خارج سمجھ کر خدا اور خدا کے اوتار بنا لیا۔ لیکن جو نیچے گرے ان کی ذلّت اور ادنیٰ ترین حالت کی وجہ سے لوگوں نے ان کو انسان بھی قرار نہ دیا۔ اور واقعی وہ انسان کہلانے کے مستحق ہی نہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے بھی ان کو انسان نہیں کہا۔ بلکہ بندر اور سؤر قرار دیا ہے گویا خدا تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق فرما دی ہے کہ وہ انسان جو گرنے والوں کو ان کی دوری اور بُعد کی وجہ سے اپنے میں شامل کرنا پسند نہیں کرتے۔ وہ ٹھیک کرتے ہیں۔ واقعی ایسے لوگ ان میں سے نہیں بلکہ بندر اور سؤر ہیں۔

تو یہ مدارج ہیں۔ بعض اونچے ہیں اور بعض نیچے اور بعض درمیانی۔ ان کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ نے انسان میں طاقتیں بھی رکھ دی ہیں بعض طاقتیں انسان کو اوپر لے جانے والی ہیں اور بعض نیچے۔ لیکن نیچے لے جانیوالی طاقتیں کوئی علیحدہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ جو اوپر کھینچنے والی ہوتی ہیں انہیں کے عدم کا نام نیچے لے جانے والی طاقتیں ہے۔ جس طرح اگر انجن سے سٹیم نکال لی جائے تو وہ ایک ڈھلوان جگہ سے خود بخود نیچے آ جاتا ہے۔ اس کے نیچے آنے کا باعث کوئی اور طاقت نہیں ہوتی بلکہ سٹیم کا نہ ہونا ہی اس کے نیچے آنے کا باعث ہوتا ہے

اسی طرح خدا تعالیٰ نے جو طاقتیں انسان کے اندر رکھی ہیں وہ سٹیم کی طرح اسے اُوپر لے جانے والی ہیں۔ ہاں جب کوئی ان سے کام نہیں لیتا تو وہ نیچے گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ جس قدر بُری طاقتیں ہیں وہ اچھی اور اعلیٰ کے نہ ہونے سے بنتی ہیں۔ مثلاً حقارت کیا ہے۔ محبت کے نہ ہونے کا نام ہے۔ کسی سے محبت گھٹتے گھٹتے ایک ایسے درجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ اس کا نام حقارت ہو جاتا ہے۔ دیکھو جس طرح سردی نام ہے گرمی کے نہ ہونے کا۔ اسی طرح تمام بداخلاقیاں اور برائیاں اخلاق اور بھلائیوں کے نہ ہونے کا نام ہے۔ یہ کوئی علیحٰدہ نہیں۔ بعض نادان اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا نے ہی بدی اور برائی کو پَیدا کیا ہے۔ اگر خُدا نے ہی کیا ہے تو بہت بُرا کیا ہے۔ وہ نادان نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے کوئی بدی پَیدا نہیں کی۔ بلکہ اس نے نیکی پَیدا کی ہے۔ جو بدبخت کسی نیکی کو نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ ان میں اس کی بجائے بدی آجاتی ہے تو بدی نیکی کے عدم کا نام ہے۔ اخلاق کے اثر کا یہاں تک تجربہ کیا گیا ہے کہ ایسی لکڑی کے پنگھوڑے بنائے گئے ہیں جو ذرا سے اثر سے بھی جھک جاتے ہیں۔ اس پر لیٹ کر جب محبت اور خوشی کے خیال کئے گئے ہیں تو تختہ اونچا ہوا ہے اور جب نفرت اور حقارت کے خیال کئے گئے ہیں تو نیچے دبتا گیا ہے تو اونچا لے جانے والی طاقت جب نکل جائے تو پھر نیچے لے جانے والی طاقت خود بخود پَیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کے اردگرد دو قسم کے سامان ہیں۔ ایک تو ایسے کہ جو انسان کو اعلیٰ اخلاق اور عادات سے دُور کرتے جاتے ہیں۔ اور دوسرے ایسے کہ ان کے ذریعہ محبت۔ اخلاق۔ وفاداری۔ نیک سلوک۔ احسان اور مروّت کرنے کی صفات پَیدا ہوتی ہیں اور یہ بڑھتی رہتی ہیں اور انسان کو اوپر ہی اوپر لے جاتی اور بلند کر دیتی ہیں۔ کہ دیکھنے والے حیران ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے کام ہیں جو ان صفات سے جدا کر دیتے ہیں۔ اور اس سے انسان گرتا جاتا ہے۔

لیکن جس طرح انجن کے محفوظ رکھنے اور عمدگی سے چلانے کے لئے گارڈ اور ڈرائیور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک انسان کو شرور اور وساوس سے بچانے کے لئے ملائکہ مقرر ہوتے ہیں وہ اس کو نیکی کے کام کرنے میں مدد دیتے رہتے ہیں۔ لیکن جب وہ ملائکہ الگ ہو جائیں تو جس طرح انجن سٹیم کے نکال لینے سے خود بخود ڈھلوان سے نیچے آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ بدروحیں ہوتی ہیں وہ انسان کو نیچے کھینچنا شروع کر دیتی ہیں۔ جو انسان اپنی غفلت اور کوتاہی سے ملائکہ سے قطع تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ تو پھر اس کا خود بخود بدروحوں سے تعلق جڑ جاتا ہے۔ ان سے بچنے

کے لئے خدا تعالیٰ نے اس سُورۃ میں جو مَیں نے ابھی پڑھی ہے۔علاج بتایا ہے۔

فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر محبت کا سلوک کرتے ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق ملائکہ سے نہیں ہوتا۔اس لئے بجائے اس کے کہ کسی کو اوپر لے جانے میں مدد دیں۔اور نیچے گرا دیتے ہیں ان کو انسان دوست سمجھتا ہے لیکن دراصل وہ اس کے دشمن ہوتے ہیں۔فرمایا ان سے بچنے کی ہم تمہیں ایک ترکیب بتاتے ہیں اور وہ یہ کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔خدا سے ہمیشہ ان سے محفوظ رہنے کی دعا مانگو۔اس کو کہو کہ اے خدا! تو ربّ ہے۔ربّ کے معنے ہیں پیدا کرنے والا اور پَیدا کرنے کے بعد اس کی باریک در باریک ضروریات کو پورا کر کے کمال تک پہنچانے والا۔تو فرمایا۔تم ایسے خدا سے مدد مانگو جو ربّ ہے اور اسے کہو کہ ہمیں اس سے بڑھ کر اور کیا ضرورت ہوگی کہ ہمیں ایسی خواہشات اور ایسے لوگوں سے تعلق نہ ہو جو ہمیں نیچے ہی نیچے لے جانے والے ہوں۔پس ہم اپنے آپ کو تیرے ہی سپرد کرتے ہیں کہ تو ہمیں اوپر لے جا تو ربوبیت کا واسطہ دے کر دعا ہوئی۔اس سے بڑھ کر مالکیّت کا درجہ ہے۔فرمایا پھر اس خدا کو پکارو جو مَلِكِ النَّاس ہے۔لوگوں کا بادشاہ ہے۔بادشاہ کبھی یہ پسند نہیں کرتا۔کہ کوئی باغی اس کی رعایا کو تکلیف پہنچائے۔اس لئے فرمایا۔خدا کو ملک کے نام سے اپنی مدد کے لئے پکارو۔کہ اے خدا ہم تیری رعایا ہیں۔کیا اگر ہمیں کوئی دکھ دے۔کوئی تکلیف پہنچائے تو تیری شانِ بادشاہت کو غیرت نہیں آئے گی۔ضرور آئے گی۔پس ہم کو بچا۔دیکھو دنیاوی بادشاہوں کی رعایا کو اگر کوئی بہکائے تو انہیں غیرت آتی ہے اور وہ اسے ہلاک اور تباہ کر دیتے ہیں۔اسی طرح اگر کوئی خدا تعالیٰ کو اپنا آپ سپرد کر دے۔تو کیا وہ اس کے بہکانے والوں کو سزا نہیں دیگا ضرور دے گا۔پس فرمایا کہ تم اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دو اور کہو کہ الٰہی! تو ہی ہمارا بادشاہ ہے اور ہم تیری رعایا۔ہمیں ان باغیوں اور سرکشوں سے نجات دے جو تیرے جادۂ اطاعت سے ہمیں منحرف کرنا چاہتے ہیں۔

مالکیت سے بڑھ کر الوہیت کا تعلق ہے۔ہر ایک بادشاہ اللہ نہیں ہوسکتا۔ایک ہی بادشاہ ایسا ہے جو اللہ ہے۔اور وہ خدا تعالیٰ ہے فرمایا۔اِلٰهِ النَّاسِ۔پھر الوہیّت کی صفت کو پکارو۔اور کہو خدایا۔ہم تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا معبود۔جب کوئی بادشاہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی رعایا کو کوئی ورغلائے تو پھر تو جو معبود ہے کس طرح پسند کر سکتا ہے کہ تیرے بندوں کو کوئی ورغلائے۔پس ہم تیرے ہی حضور عرض کرتے ہیں

کہ تو ہمیں فسادوں اور فتنوں سے بچا اور شریروں اور باغیوں کے وساوس سے نجات دے اور بلند سے بلند درجے حاصل کرنے کی توفیق بخش۔

جس طرح بلندی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ مشکلات بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی صفات بھی علی الترتیب اعلیٰ بیان فرما دی ہیں۔ تا کہ جہاں مشکلات بڑھتی جائیں وہاں خدا تعالیٰ کو اس کی اعلیٰ صفات کے مطابق اپنی مدد اور تائید کے لئے پکارتے جاؤ۔

اس زمانہ میں اس سورۃ کے پڑھنے کی بڑی ضرورت ہے۔ لوگوں کو آجکل دین سے بڑی نفرت ہو گئی ہے۔ بعض جگہ بہت چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں سے ابتلاء آجاتے ہیں۔ مثلاً کسی کا جنازہ نہیں پڑھا۔ یا کسی نے رشتہ نہیں دیا۔ یا فلاں کیوں سیکریٹری بنایا گیا۔ اور فلاں پریذیڈینٹ کیوں بنایا گیا۔ مجھے حیرت ہی آتی ہے کہ اس زمانہ میں ایمان کی قیمت کیوں اس قدر تھوڑی ہوگئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ اس زمانہ سے اس سورۃ کا بہت تعلق ہے۔ چنانچہ تجربہ بتاتا ہے کہ واقعہ میں ہمارے دوستوں کو اس کی بہت ضرورت ہے تا وہ شریر لوگ جو ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں ان سے محفوظ رہیں۔ خنّاس وہی ہستیاں ہوتی ہیں جو نظر نہیں آتیں یعنی پوشیدہ رہتی ہیں۔ کبھی کسی لباس میں اور کبھی کسی لباس میں آکر وسوسے ڈالتی رہتی ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ یہ میری خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان رات کو مؤمن سوئے گا اور صبح کو کافر اُٹھیگا اور اسے پتہ بھی نہیں ہوگا کہ کس طرح اس کا ایمان چلا گیا۔ وہ یہی زمانہ ہے اس میں لالچ۔ حسد۔ بغض۔ ناجائز رعب۔ خوف اتنا ترقی کر گیا ہے کہ ایمان کی کچھ بھی قیمت نہیں رہی۔ اور وہ اس طرح بیچ دیا جاتا ہے کہ گویا بہت ہی حقیر چیز ہے۔ جس قدر جلدی اپنے پاس سے دور ہو۔ اتنا ہی اچھا ہے۔ اپنے گندوں اور مَیلوں کو لوگ اتنا جلدی نہیں پھینکتے جتنا ایمان کو پھینکتے ہیں۔ اگر ان کو کہا جائے کہ رسم و رواج کے گندوں کو چھوڑ دو تو لڑنے پر تیار ہو جاتے ہیں کہ اس طرح ہماری ناک کٹ جاتی ہے مگر ایمان کو ترک کرنے کے لئے اگر کوئی کہے تو بڑی خوشی سے تیار ہو جاتے ہیں تو یہ زمانہ اس سورۃ کے پڑھنے کا بہت مستحق ہے۔ تا کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت مالکیت اور الوہیت کی صفات مدد کریں اور نیچے گرنے والی ہستیوں میں سٹیم بھر جائے تا کہ وہ اوپر چڑھ سکیں یہ خدا تعالیٰ کی مدد کے سوا ہو نہیں سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ

کامیابی کے لئے اسباب کا ہونا بھی ضروری ہے۔مگر جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہیں ملتی۔باوجود ساما نوں کے اس کام کے کرنے کا جوش اور ہمت نہیں پَیدا ہوسکتی۔دیکھو اگر کسی کو کچھ تکلیف پہنچے اور وہ پولیس میں رپورٹ کرے تو پولیس اس کی تحقیقات کرے گی لیکن اگر پولیس کو حکامِ بالا کی طرف سے خاص طور پر اس کی تحقیقات کا حکم ہو تو وہ بہت کوشش اور تندہی سے اس کام کو کرے گی۔اس طرح خدا تعالیٰ نے ہر کام کے لئے سامان پَیدا کئے ہیں۔لیکن جب خدا تعالیٰ ان کو یہ کہہ دے کہ میرے فلاں بندے کی مدد اور تائید کرو تو سمجھ لو کہ وہ کس قدر زور سے کریں گے۔تو صرف سامان کوئی چیز نہیں۔اکثر اوقات سامان کی موجودگی میں ناکامی ہوتی ہے۔لیکن جب خدا تعالیٰ کا حکم ہو جائے تو پھر کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

پس ہماری جماعت کو اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی خاص خاص صفات کو یاد کیا کرے اور اس سورۃ کو پڑھا کرے۔تا کہ جن کے دلوں میں وساوس نہیں ان میں آئندہ بھی نہ پڑیں۔اور جن میں پڑے ہوں۔ان سے نکل جائیں۔

خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو وساوس سے بچائے اور ان کے مقام کو بلند کرے کہ دنیا کی نظروں سے اتنے ہی دور ہو جائیں جتنے ستارے ہیں۔اور ان لوگوں میں ہمارا نام لکھا جائے جو نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی جماعت ہے۔

(الفضل ۱۳ /اکتوبر ۱۹۱۶ء)